مناصب ووسائل سے متعلق سرکاری عہدے داروں سے مطلوب رویہ

(سیرت وتعلیماتِ محمدی کے تین اہم پہلوؤں کے تناظر میں خصوصی مطالعہ)

(Desired Behavior of Government officials about their Positions and Resources: A Study in Context of three Important Aspects of the Teachings and Conduct of the Prophet

ڈاکٹر محمد شہباز منج*

ڈاکٹر صائمہ شہباز منج**

ABSTRACT

Teachings and biographies of Prophet Muhammad (peace be upon him) and his rightly guided caliphs are perfect examples for the people from all walks of life. They have also complete light and guidance for those holding public offices. This paper studies the three important aspects of teachings and conduct of Prophet Muhammad and his companions to seek guidance for government officials about their responsibilities regarding relevant positions and resource. It argues that if the government officials follow the teachings and *Sirah* of the Prophet and his rightly guided caliphs; keep the concept of accountability in their mind; avoid the love of wealth and possessions; adopt asceticism; keep in mind the teachings of the Prophet and the Righteous Caliphs regarding justice, honesty and accountability; keep an eye on the Hereafter and be free from the lust for worldly wealth and glory for the sake of higher goals; adopt justice and refrain from dishonesty; keep reviewing their deeds and show the same kind of responsibility in the use of government positions and resources as the Companions of the Prophet, especially the Rightly Guided Caliphs did, they and their institutions and the entire nation will prosper and become as ideal as the Muslims of the early centuries. The article concludes that the referred teachings and conducts, if observed, can lead the government official of our time towards excellent moral values of self-accountability, abstinence and honesty. And these values have a key role in making a society and its individuals successful and prosper.

Keywords: Govt. officials, responsibilities, desired behavior, *Sira* of the Prophet, Righteous Caliphs, three aspects

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی وعربی علوم، یونی ورسٹی آف سرگودھا

** پی ایچ ڈی، یونی ورسٹی آف سرگودھا

اس کے باوجود کہ ان کے پیغمبر ﷺ اخلاق کے اعلی ترین مقام پر فائز تھے،[(۱)] انھوں نے انھیں بار بار اعلی اخلاقیات کا درس دیا،[(۲)] عصرِ حاضر کے مسلمان مختلف وجوہ کی بنا پر بالعموم اپنے شعبہ ہائے زندگی میں مذہبی و اخلاقی تنزل کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ پاکستان کے تناظر میں دیکھیں تو سرکاری مناصب اور ذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال کے حوالے سے بحرانی کیفیت نظر آتی ہے۔ نہ سرکاری وقت اور حیثیت کا صحیح استعمال ہے اور نہ فنڈز اور رقوم کا۔ سرکاری عہدوں پر فائز حضرات بالعموم سرکاری مناصب اور ذرائع کو ذاتی مفادات کے لیے بے دریغ استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ سرکاری مناصب پر فائز افراد کے لیے آپ کی سیرت اور تعلیمات میں روشنی و رہنمائی کا بہت سا سامان ہے۔ چنانچہ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ سرکاری ملازمین کو سرکاری مناصب اور ذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال پر موثر طریق سے آمادہ کیا جائے۔ زیر نظر سطور میں اس ضمن میں آپ کی سیرت اور تعلیمات کے تین پہلوؤں: مسئولیت و جواب دہی، حبّ جاہ و مال سے احتراز اور زہد و بے نفسی اور عدالت و دیانت کے حوالے سے تحقیقی گفت گو کی جارہی ہے۔ ان میں سرکاری ملازمین کے لیے کتاب و سنت اور سیرت رسول عربی ﷺ کی روشنی میں اپنے مناصب اور ذرائع کے درست استعمال کی ترغیب و تحریک سے متعلق نہایت اہم اور ثقہ مواد مہیا کیا گیا ہے۔

مسئولیت و جواب دہی

حضور اکرم ﷺ نے مسئولیت و جواب دہی کا تصور پیش فرمایا۔ آپ نے تعلیم دی کہ آدمی اس دنیا میں شتر بے مہار نہیں کہ جو جی میں آئے کرتا پھرے، کوئی اسے پوچھنے والا نہیں۔ وہ اس دنیا میں نہ تو خود بخود پیدا ہو گیا ہے اور نہ ہی غیر ذمہ دار و غیر مسئول ہے۔ اس کو اس کائنات کے خالق و مالک پروردگار نے بھیجا ہے اور ایک خاص کردار ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب اسے اپنے رب کے حضور اپنے دنیوی کردار سے متعلق جواب دینا ہے۔ خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ذات ہے۔ انسان کا ہر ہر عمل ہر گھڑی اس کی نگاہ میں ہے، حتی کہ وہ نگاہوں کی خیانت اور دلوں میں چھپی باتوں سے بھی باخبر ہے:

---

(۱) القلم۶۸:۴۔

(۲) دیکھیے: ابو داؤد، سلیمان بن الاشعثبن اسحاق بن بشیر بنشداد بن عمروالاذدی السجستانی، ت: محمد محی الدین عبد الحمید: سنن ابی داؤد (بیروت: المکتبۃالعصریۃ، صیدا، ب ت)، ۴/ ۲۲۰، کتاب السنۃ، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان و نقصانہ، حدیث رقم: ۴۶۸۲۔)؛ محمد بن اسمعیل، ابو عبد اللہ البخاری الجعفی، ت: محمد زہیر بن ناصر الناصر: صحیح البخاری (دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ)، ۸/ ۱۳۔

يَعْلَمُ خَآئِنَۃَالْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (المؤمن ۴۰:۱۹) انسان سے بروزِ قیامت اس کے کانوں، آنکھوں اور دل وغیرہ سب سے متعلق سوال کیا جائے گا: اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰئِکَ کَانَ عَنْہ مَسْئُوْلاً۔(۱) آپ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا، وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، أَلاَ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔(۲)

ہر شخص اپنی رعایا سے متعلق جوابدہ ہے۔ چنانچہ امام، جو لوگوں کا نگران ہے، وہ اپنی رعایا سے متعلق جوابدہ ہے۔ اور مرد اپنے گھر والوں پر نگران ہے اور اپنی رعایا سے متعلق جوابدہ ہے۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے اور ان سے متعلق جوابدہ ہے۔ اور غلام اپنے مالک کے مال پر نگران ہے اور اس سے متعلق جوابدہ ہے۔ خبردار! تم میں ہر شخص نگران ہے اور ہر ایک اپنی رعایا سے متعلق جوابدہ ہے۔

لاَ تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ، عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلاَهُ، وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ.(۳)

قیامت کے دن بنی آدم کے قدم آگے نہ بڑھ سکیں گے، یہاں تک کہ پانچ چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے، اس کی عمر کے بارے میں کہ کن کاموں میں صرف کی اور اس کی جوانی کے بارے میں کہ کہاں پرانی کی اور اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟۔

مسئولیت و جوابدہی کی اس لاجواب تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کی عملی زندگی بھی اس کا کامل مظہر تھی۔ آپ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کریں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ آپ ہر ہر کام جواب دہی کے نہایت گہرے

---

(۱) بنی اسرائیل 17:63۔

(۲) البخاری، ۹/ ۶۲، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ: واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول...، حدیث رقم: ۷۱۳۸۔

(۳) محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن الضحاک، الترمذی، ابوعیسیٰ، ت؛ احمد محمد شاکر: سنن الترمذی (مصر: مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵م)، ۴/ ۶۱۲، ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب فی القیامۃ، حدیث رقم: ۲۴۱۶۔

احساس کے تحت انجام دے رہے ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرض سونپا گیا تھا کہ پیغامِ خداوندی کو بندگانِ خدا تک بلا کم و کاست پہنچا دیں۔ قرآنِ حکیم نے آپ کو یہ منصب عطا کیے جانے اور اس ضمن میں آپ کے مسؤل و جواب دہ ہونے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہ۔[1]

"اے اللہ کے رسول !جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اسے (دوسرے لوگوں تک) پہنچاؤ، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔"

آپ نے اپنی اس منصبی ذمہ داری کو انتہائی خوش اسلوبی سے پورا فرمایا۔ اس حوالے سے آپ کو جن مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان کے تصور سے بھی رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر آپ دعوتِ حق کی ذمہ داری سے سرِ مو پیچھے ہٹے اور نہ اس ضمن میں کسی کوتاہی اور مداہنت کا مظاہرہ کیا۔ ہجومِ بلا اور سخت نامساعد حالات کے باوصف آپ کس تڑپ، لگن، محنت اور احساسِ ذمہ داری و مسوئیت سے کارِ منصبی انجام دیتے تھے اس کا اندازہ خود یہ کارِ منصبی سپرد کرنے والے کہ ان ارشادات سے لگایے:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْن۔[2] "ان کے ایمان نہ لانے پر تو شاید آپ اپنی جان ہی دے ڈالیں۔"؛ فَلَا تَذْھَبْ نَفْسُکَ عَلَیْھِمْ حَسَرٰت۔[3] "(اے نبی) ان پر غم و افسوس میں آپ اپنی جان ہی نہ گھلا بیٹھیے گا۔"؛فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِاَسَفًا۔[4] "(اے نبی) شاید تم ان کے پیچھے، اس رنج و غم کے مارے کہ وہ اس بات پر ایمان نہیں لاتے، اپنی جان ہی کھو دینے والے ہو۔"

سیرتِ اطہر سے مسؤلیت و جوبدہی کے گہرے احساس کی اسی قبیل کی ایک اور نمایاں گواہی حضور کے خطبہ حجۃ الوداع کے ان الفاظ سے ملتی ہے جو آپ نے اس خطبے کے آخر میں حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمائے۔ ان میں اپنے مشن کی تکمیل پر لوگوں کو اپنی مساعیِ ابلاغ پر گواہ بنانے میں آپ کا یہ منشا نہایت واضح ہے کہ میں پروردگارِ عالم کے حضور پیش ہونے والا ہوں، لہٰذا دیگر شواہد کے ساتھ ساتھ میرے پاس اپنے مخاطبین کی پرزور

---

[1] المائدہ۵:۶۷۔

[2] الشعراء۲۶: ۳۔

[3] الفاطر۳۵:۸۔

[4] الکہف۱۸:۶۔

شہادت بھی ہونی چاہیے۔ نیز یہ کہ جب ان سے میرے ابلاغِ پیغامِ خداوندی سے متعلق بروزِ قیامت سوال ہو تو وہ میرے حق میں جواب دے سکیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

أَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟ "تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا۔ تم کیا جواب دو گے؟" لوگوں نے کہا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ۔ "ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے بلاشبہ پیغامِ (حق) پہنچا دیا اور (امانت) ادا کر دی اور (لوگوں کو) نصیحت کر دی۔" بعد ازاں آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور فرمایا: اللھُمَّ اشْهَدْ، اللھُمَّ اشْهَدْ۔ "اے اللہ تو گواہ رہنا، اے اللہ تو گواہ رہنا۔"[(۱)]

آج کے صاحبانِ مناصب کو، سچ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی مذکورہ تعلیمات اور رویے سے الا ماشاء اللہ ہی مَس ہے۔ گویا انھیں نہ اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور نہ عوام ہی کو ان سے پرسش کا حق ہے۔ مسؤلیت وجوب دہی کے حوالے سے اگر تعلیمات وسیرت نبوی کے مذکورہ پہلو سامنے رہیں اور ان پر عمل کا جذبہ بیدار ہو تو ممکن نہیں کہ حضور ﷺ کی محبت کا دم بھرنے والے مسلمان صاحبانِ مناصب اس نوع کی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کریں، جیسا کہ کہ لمحۂ موجود میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے۔

حبِّ جاہ ومال سے احترازاور زہد وبے نفسی

حبِّ جاہ وحشمت، ہوسِ مال ودولتِ دنیا، بلند معیارِ زندگی، پروٹوکول اور دوسروں سے ممتاز و منفرد نظر آنے کی تمنا وہ چیزیں ہیں، جو کسی سرکاری منصب پر فائز شخص کے منصب اور ذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال میں بہت بڑی رکاوٹ بنتی ہیں۔ یہ چیزیں نہایت گھناونے اخلاقی امراض ہیں اور آدمی کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ جائز وناجائز کی پرواہ کیے بغیر جیسے کیسے ممکن ہو زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرے، عالیشان رہائشیں بنائے، قیمتی گاڑیاں رکھے، زرق برق اور مہنگے لباس پہنے، ماتحتوں اور اپنے سے چھوٹے ملازمین کو کم تر اور حقیر سمجھے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور میل ملاپ میں شاہانہ طرز وانداز اپنائے اور بے جا اڑائے، سکیورٹی اہل کاروں اور گاڑیوں کے جلو میں چلے، وغیرہ۔ ہم اپنے ہاں کے سرکاری ملازمین پر نگاہ ڈالیں تو وہ "اپنی اپنی حیثیت کے مطابق" بالعموم ان امراض میں بری طرح مبتلا نظر آتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات اور اسوے کے ذریعے ان تمام امراض کا نہایت شافی علاج مہیا کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایے:

---

(۱) مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري، ت؛ محمد فواد عبد الباقي: صحیح مسلم (بیروت: داراحیا التراث العربی، بت) ۲/۸۸۶، کتاب الحج، باب حجۃ النبی، حدیث رقم: ۱۲۱۸۔

آپ نے تعلیم دی ہے کہ یہ دنیا انتہائی مختصر اور ماندگی کا وقفہ ہے، آدمی کو بہت جلد اپنے رب کے حضور پیش ہونا اور اپنے دنیوی اعمال کا حساب دینا ہے۔ وہ شخص انتہائی نادان ہے جو اپنے اس نہایت ہی قیمتی اور قلیل وقت کو اخروی ولافانی ذخیرے کی بجائے عارضی اور فانی دنیاوی اندوختے کی نظر کر دے، جو بے انتہا زمانوں کے ناقابلِ تصور عیش و نشاط کی قیمت پر چند برسوں کے معمولی تعیشات خرید لے، جو غیر مختتم آلام و مصائب کے بدلے، لمحاتی خوشیوں کا سودا کر لے، جو دنیا، اس کے مال و دولت اور جاہ و حشمت کی متاعِ قلیل سے دھوکا کھا جائے۔[1] سو نادانی سے بچیے اور ہوش کے ناخن لیجیے۔ ان لوگوں کی مانند نہ ہو جایے جو آخرت سے بے خبر ، دنیا کے ظاہر پر مرے جاتے ہیں۔[2] دوسروں کی دیکھا دیکھی کثرت کی ہوس میں مبتلا نہ ہو جیئے بلکہ ان کے انجامِ بد پر نگاہ رکھ کر اپنے نیک انجام کا سامان کیجیے[3] کہ آخرت پر ایمان،[4]

تقوے[5] اور دور اندیشی[6] کا یہی تقاضا ہے۔ ایک مسلمان کو دنیا سے بے رغبتی اور زہد کا رویہ اپنانا چاہیے اور دنیا سے لو لگا کر نہ بیٹھ جانا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ-[7] "دنیا میں ایسے رہو جیسے ایک اجنبی یا مسافر۔"؛ عُدَّ نَفْسَكَ فِي أَهْلِ القُبُورِ-[8] "خود کو اہلِ قبور میں شمار کرو۔" وَاللهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ هَذِهِ... فِي الْيَمِّ، فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ؟[9] "اللہ کی قسم! دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جیسے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈالے... پھر دیکھے کہ کتنا پانی لائی ہے؟" لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ

---

(۱) الحدید۵۷:۲۰۔

(۲) الروم۳۰:۷۔

(۳) آل عمران۳: ۱۹۶-۱۹۷۔

(۴) الکہف۱۸:۱۱۰۔

(۵) (النساء۴:۷۷۔

(۶) (العنکبوت۲۹:۶۴۔

(۷) البخاری، ۸/ ۸۹، کتاب الرقاق، باب مثل الدنیا فی الآخرہ، حدیث رقم: ۶۴۱۶۔

(۸) الترمذی، ۴/ ۵۶۸، ۵۶۷، ابواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماء جاء فی قصر الامل، حدیث رقم: ۲۲۳۳۔

(۹) مسلم، ۴/ ۲۱۹۳، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامۃ، حدیث رقم: ۲۸۵۸۔

جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ-[1]"اگر دنیا(کی قدر)اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی ہوتی تو کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ پلاتا۔"مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الجَنَّةِ، خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيهَا-[2]"جنت میں کوڑے کے برابر جگہ دنیامافیہا سے بہتر ہے۔"فَوَاللَّهِ مَا الفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ، وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا، كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا، وَتُلْهِيَكُمْ كَمَا أَلْهَتْهُمْ-[3]"واللہ! مجھے تمہارے معاملے میں فقر و تنگدستی کا ڈر نہیں بلکہ اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا تم پر اس طرح فراخ کر دی جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کی گئی۔ سو تم بھی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی اسی طرح کوشش کرنے لگو جیسے پہلے لوگ کرنے لگ گئے تھے اور تمہیں بھی اسی طرح غافل کر دے جیسے ان کو کیا تھا۔"

آپ ﷺ خود زہد اور دنیا سے بے رغبتی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے نہایت سادہ اور فقیرانہ زندگی گزاری، اور یہ بات واضح رہے کہ آپ کا یہ فقر و زہد اس وجہ سے نہ تھا کہ دنیوی جاہ و حشمت اور مال و دولت میسر نہ تھے، بلکہ رضائے الٰہی کے لیے اپنی خوشی سے اختیار کردہ تھا، آپ ذرا سی خواہش کرتے تو یہ سب کچھ آپ کے قدموں میں ہوتا۔ اس ضمن میں سیرتِ اطہر کی چند جھلکیاں ملاحظہ کیجیے:

آپ کا فرمان ہے:عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّي لِيَجْعَلَ لِي بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا، قُلْتُ: لَا يَا رَبِّ وَلَكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجُوعُ يَوْمًا فَإِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ إِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ، وَإِذَا شَبِعْتُ شَكَرْتُكَ-[4]"میرے اللہ نے مجھے یہ پیشکش فرمائی کہ وہ میرے لیے وادیٔ مکہ کے تمام سنگریزوں کو سونے کا بنا دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا: نہیں پروردگار! میں تو چاہتا ہوں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن سیر ہوں۔ جب بھوکا ہوں تو تیرے حضور گڑگڑاؤں اور تیرا ذکر کروں اور جب سیر ہوں تو تیرا شکر ادا کروں۔"؛حضرت عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: نَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَصِيرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِي جَنْبِهِ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوِ اتَّخَذْنَا لَكَ وِطَاءً، فَقَالَ:مَا لِي وَلِلدُّنْيَا، مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا-[5]"رسول اللہ

---

(١) الترمذی، ۴/ ۵۶۰، ابواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فی ھوان الدنیا علی اللہ عزوجل، حدیث (ر) قم: ۲۳۲۰۔

(٢) البخاری، ۸/ ۸۸، کتاب الرقاق، باب مثل الدنیا فی الاخرۃ، حدیث رقم: ۶۴۱۵

(٣) البخاری، ۸/ ۹۰، کتاب الرقاق، باب العمل الذی یبتغی بہ وجہ اللہ، حدیث رقم: ۶۴۲۵۔

(۴) الترمذی، ۴/ ۵۷۵، ابواب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فی الکفاف والصبر علیہ، حدیث رقم: ۲۳۴۷

(۵) الترمذی، ۴/ ۵۸۸، ۵۸۹، ابواب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فی اخذ المال، حدیث رقم: ۲۳۷۷

ﷺ کھجور کے پتوں کی چٹائی پر سو رہے تھے۔جب آپ اٹھے تو آپ کے پہلو پر (چٹائی کے چبھنے کے) نشانات تھے۔ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ کے لیے پلنگ بنا دیتے ہیں۔آپ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا! میں تو دنیا میں ایک سوار کی طرح ہوں کہ کسی درخت کے سائے میں ٹھہرتا ہے، پھر کچھ دیر آرام کرتا ہے، پھر اسے چھوڑ کر (اپنی منزل کو) چل دیتا ہے۔"؛ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر بعض صحابہ کے ساتھ حاضر ہوئے اورآپ کے جسم پر اس طرح کے نشانات دیکھ کر رو دیے۔حضور نے رونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے عرض کیا: حضور کیوں نہ روؤں! قیصر وکسری عیش اڑا رہے ہیں اورآپ اس حال میں ہیں۔آپ نے فرمایا:یا عمر اما ترضی ان تکون لھم الدنیا ولنا الآخرۃ[۱] "تمہیں پسند نہیں کہ قیصر وکسری کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت" ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا، لَسَرَّنِي أَنْ لاَ تَمُرَّ عَلَيَّ ثَلاَثُ لَيَالٍ وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ، إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ۔[۲] "اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے خوش نہ آئے کہ تین دن گزرنے کے بعد اس میں سے کچھ بھی میرے پاس ہو۔الاّ یہ کہ قرض ادا کرنے کی غرض سے کچھ رکھ چھوڑوں۔"؛آپ نے دعا فرمائی: اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِينًا وَأَمِتْنِي مِسْكِينًا وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ المسَاكِينِ يَوْمَ القِيَامَةِ۔[۳] "اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں دنیا سے اٹھا اور قیامت کے دن طبقۂ مساکین کے ساتھ میرا حشر فرما۔كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيتُ اللَّيَالِي المتَتَابِعَةَ طَاوِيًا وَأَهْلُهُ لَا يَجِدُونَ عَشَاءً وَكَانَ أَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيرِ[۴] "رسول اللہ ﷺ مسلسل کئی راتیں بھوک کی حالت میں گزار دیتے اور آپ کے اہل کو رات کا کھانا نہ ملتا اور ان کی روٹی اکثر جَو کی ہوتی۔"

حضور ﷺ کے زہد اور بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ جو بھی مال ودولت ہاتھ آتا راہِ خدا میں خرچ کر دیتے۔آپ سب انسانوں سے زیادہ سخی تھے۔رمضان المبارک میں آپ کی سخاوت تیزی میں ہوا کی مانند

---

(۱) عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الشافعی، ت؛حسان عبد المنان: البدایۃ والنھایۃ (لبنان: بیت الافکار الدولیۃ، ۲۰۰۴م)، ۱/۸۸۶۔

(۲) البخاری ۸/۹۵، کتاب الرقاق، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما احب لی مثل احد ذھبا، حدیث رقم: ۶۴۴۵۔

(۳) الترمذی، ۴/۵۷۷، ابواب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء ان فقراء المہاجرین یدخلون الجنۃ قبل اغنیائھم، حدیث رقم: ۲۳۵۲۔

(۴) الترمذی، ۴/۵۸۰، ابواب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فی معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث رقم: ۲۳۶۰۔

ہوتی۔[۱] زبانِ مبارک سے کسی سوال کے جواب میں لفظ "نہیں" ادا نہیں ہوا۔[۲] اپنے پاس کچھ بچا کر نہ رکھا۔ ترکے میں کوئی درہم چھوڑا نہ دینار، اونٹ چھوڑا نہ بکری۔[۳] اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا تو بقول عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے کاشانۂ اقدس کا اندوختہ ایک وسق جَو تھے۔[۴]

آپ سرورِ کائنات تھے، لیکن خود کو دوسروں سے بڑا اور ممتاز ظاہر کرنے سے مطلق گریز کیا۔ انتہائی تواضع اور سادگی شعار کی۔ صحابہ کے ساتھ مل جل کر بالکل انہی کی طرح رہتے۔ لوگوں کو اس امر سے روکتے کہ آپ کی تشریف آوری پر کھڑے ہوں۔[۵] آپ کے بیٹھنے کے لیے کوئی الگ جگہ مخصوص نہ تھی۔ باہر سے آنے والا کوئی اجنبی شخص آپ کو صحابہ کے درمیان سے الگ شناخت نہ کر سکتا۔ صحابہ کے ساتھ مل کر اپنے حصے کا کام کرتے۔ مسجدِ قبا اور مسجدِ نبوی کی تعمیر اور غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی میں مزدوروں کی طرح صحابہ کے ساتھ برابر کام کیا۔ اپنے کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے۔ جوتے گانٹھ لیتے، کپڑوں کو پیوند لگا لیتے، بازار سے سودا سلف خرید لاتے، بکری کا دودھ دوہ لیتے۔[۶] اور تو اور غلاموں اور لونڈیوں سے بھی خود کو ممتاز و منفرد نہ رکھتے۔ حتیٰ کہ خادموں کے کام خود کر دیتے۔ کسی خادم کو کبھی اف تک نہ کہا نہ کسی فقیر کو اس کے فقر وفاقہ کی بنا پر کبھی حقیر سمجھا۔ اپنے لیے امتیاز کی نفی کے حوالے سے یہاں یہ مثال پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ سفر میں ایک بکری ذبح کر کے پکانے کا مشورہ ہوا۔ مختلف افراد نے مختلف کام اپنے ذمے لے لیے۔ آپ نے فرمایا: میں ایندھن اکٹھا کرتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا: حضور! ہم آپ کام خود انجام دیں گے۔ آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم میرا کام انجام

---

(۱) البخاری، ۳/۲۶، کتاب الصوم، باب اجود ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی رمضان، حدیث رقم: ۱۹۰۲۔

(۲) البخاری، ۸/۱۳، کتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء، وما یکرہ من البخل، حدیث رقم: ۶۰۳۴۔

(۳) ابو داؤد، ۳/۱۱۲، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی مایؤمر بہ من الوصیۃ، حدیث رقم: ۲۸۶۳۔

(۴) البخاری، ۴/۸۱، کتاب فرض الخمس، باب نفقۃ نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ، حدیث رقم: ۳۰۹۷۔

(۵) قاضی عیاض، شرح الشفا (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ب ت)، ۱/۲۸۷-۲۸۸۔

(۶) ولی الدین محمد بن عبد اللہ التبریزی، مشکوۃ المصابیح (دیوبند: المکتبۃ الرحیمیہ)، ۱/۵۲۰۔

دے دو گے، لیکن میں آپ لوگوں سے ممتاز نہیں ہونا چاہتا، اللہ تعالیٰ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ آدمی خود کو اپنے ساتھیوں سے نمایاں اور منفرد خیال کرے۔[1]

آپ کی سادگی، تواضع اور بے نفسی اس قدر اعلی درجے کی ہے کہ مخالفین کو بھی اسے تسلیم کرتے اور اس ضمن میں آپ کی عظمت کا اقرار کرتے ہی بنی ہے۔ جرمن مستشرق گستاوویل لکھتا ہے:

"So unpretentious was he that he receive from his companions no special mark of reverence, nor would he accept any service from his slave which he could do himself. Often and often indeed was he seen in the market purchasing provisions; often and often was he seen mending his clothes in his room, or milking a goat in his courtyard. He was accessible to all, and all times.[2]"

آپ[ﷺ] اس درجہ منکسر المزاج تھے کہ صحابہ سے اپنے لیے کسی خصوصی توقیر واحترام کو پسند نہ کرتے، نہ ہی اپنے غلام کو کسی ایسے کام کا حکم دیتے، جو آپ خود انجام دے سکتے تھے۔ آپ اکثر بازار میں سودا سلف خریدتے ؛ اپنے کمرے میں اپنے کپڑوں کو پیوند لگاتے، اپنے صحن میں بکری کا دودھ دوہتے نظر آتے۔ آپ ہر وقت ہر کسی کی دسترس میں تھے۔"

اگر سرکاری ملازمین حضور ﷺ کی سیرت و تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے حبِّ جاہ و دنیا، امتیاز پسندی اور غرور و تکبر ترک کر دیں اور تواضع، انکسار، سادگی اور زہد و بے نفسی اپنائیں تو وہ سرکاری مناصب اور ذرائع کے استعمال میں نہایت ذمہ دار ہو جائیں۔ جو ملازم متواضع، سادہ اور منکسر المزاج ہو گا وہ اپنے منصب کو معاشرتی سٹیٹس کی مزعومہ بلندی کے لیے استعمال نہیں کرے گا۔ ماتحتوں کو زرخرید غلام، حقیر اور کمینے نہیں سمجھے گا۔ ان میں گھل مل کر رہے گا۔ ان کے مسائل کو سمجھے گا اور انہیں حل کرے گا۔ کام سے جی چرانے، ٹال مٹول، وقت گزاری وغیرہ

---

(۱) محب الدین ابو جعفر محمد بن عبداللہ الطبری، خلاصۃ السیر (دہلی: دلی پرنٹنگ پریس، ۱۳۴۳ھ)، ۲۲؛ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ (لاہور: آر۔ زیڈ پیکجز، ۱۴۰۸ھ)، ۲/ ۱۹۵-۲۰۱؛ نعیم صدیقی، محسنِ انسانیت (لاہور: الفیصل، ۲۰۰۹ء)، ۱۱۵-۱۲۰۔

(2) Gustav Weil, Trans; Khuda Bakhsh :*History of Islamic peoples* (Calcutta: University of Calcutta press, 1914),۲۷ .

کے رویے کو خلافِ تہذیب سمجھتے ہوئے اپنے فرائضِ منصبی کو بطریقِ احسن ادا کرے گا۔ جس ملازم کی نگاہوں میں دنیا اور اس کا مال و منال بے حیثیت ہو جائے گا وہ سرکاری ذرائع کے ذریعے دولت جمع نہیں کرے گا اور اسے سرکار کی مطلوبہ جگہوں پر استعمال کرنے میں ذرا پس و پیش سے کام نہ لے گا۔

عدالت و دیانت

بے انصافی و بد دیانتی بھی سرکاری مناصب اور ذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ سرکاری مناصب اور ذرائع امانت ہوتے ہیں اور عدل و امانت کا تقاضا کرتے ہیں۔ ایک بد دیانت اور غیر منصف مزاج سرکاری ملازم اپنے فرائض کی صحیح صحیح ادائیگی سے جی چراتا، اپنے دائرہ اختیار میں ظلم کا مرتکب ہوتا اور نتیجتاً بمصداق الملک یبقی مع الکفر ولا یبقی مع الظلم[1] اپنے ادارے اور ملک و قوم کے زوال و خسران کا باعث بنتا ہے۔

نبی آخر الزمان ﷺ نے اپنی سیرت اور تعلیمات کے ذریعے اس بات پر بہت زور دیا کہ لوگ عادل، منصف مزاج اور صاحب امانت و دیانت بن جائیں۔ کوئی شخص اپنے دائرہ اختیار میں کسی پر ظلم کا مرتکب ہو اور نہ خود کو تفویض کی جانے والی امانت میں خیانت کرے۔ آپ نے پیغام دیا کہ جس کو امانت سپرد کی گئی ہو وہ خدا خوفی سے کام لیتے ہوئے اسے ادا کرے۔[2] امانتیں اہلِ امانت تک پہنچنی چاہییں، جو حکم ہو وہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کو ملحوظ رکھے۔[3] دشمن سے بھی ناانصافی نہیں ہونی چاہیے۔[4] آپ نے عدل کو قیامت کی ہولناک گرمی میں عرشِ الٰہی کے سائے میں جگہ پانے کا سب سے پہلا وسیلہ بتایا۔[5] دیانتداری پر اس قدر زور کہ اسے معیارِ ایمان قرار دے دیا۔ ارشاد فرمایا: لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ[6] "جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔"

---

(۱) ملاحظہ کیجیے: محمد بن محمد بن محمد الغزالی، ت؛ احمد شمس الدین: التبر المسبوک فی نصیحۃ الملوک (بیروت: دار لکتب العلمیۃ، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء)، ۴۴۔

(۲) (البقرہ ۲: ۲۸۳۔

(۳) (النساء ۴: ۵۸۔

(۴) المائدہ ۵: ۸۔

(۵) دیکھیے: البخاری، ۱/ ۱۳۳، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ وفضل المساجد، حدیث رقم: ۶۶۰۔

(۶) محمد بن حبان بن احمد بن حبان، ت؛ شعیب الارنؤوط، صحیح ابن حبان (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸م)، ۱/ ۴۲۳، کتاب الایمان، باب فرض الایمان، حدیث رقم: ۱۹۴۔

آپ کی سیرتِ طیبہ عدل و دیانت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ آپ سب سے بڑھ کر عادل اور سب سے بڑھ کر دیانتدار تھے۔[۱] آپ کے مثالی عدل و دیانت کی چند مثالیں دیکھیے:

خیبر پر مسلمانوں کے قبضے، یہودیوں سے صلح اور وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم ہو جانے کے بعد عبد اللہ بن سہل اور محَیِّصَہ کسی کام سے خیبر گئے۔ وہاں وہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہو گئے۔ اسی دوران کسی نے عبد اللہ بن سہل کو قتل کر دیا۔ محیصہ نے انہیں اس حال میں دیکھا کہ ان کی لاش ایک گڑھے میں پڑی تھی۔ محیصہ اور عبد اللہ بن سہل کے دیگر عزیزوں نے حضور کی خدمت میں استغاثہ پیش کیا، کہ یہودیوں نے ان کے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔ حضور نے فرمایا: کیا تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہ کام یہودیوں ہی کا ہے؟ انہوں نے کہا ہم نے آنکھوں سے نہیں دیکھا، اس لیے قسم تو نہیں کھا سکتے۔ حضور نے فرمایا: تو یہود سے قسم لے لو! انہوں نے عرض کیا: حضور! کفار کی قسم کیسے لے لیں؟ حضور نے بیت المال سے خون بہا ادا کر دیا۔[۲] خیبر میں اس وقت یہودی ہی تھے، ظاہر ہے کہ یہ کام انہی میں سے کسی کا تھا۔ لیکن آپ نے عدل کے تقاضوں کو مکمل طور پر ملحوظ رکھا اور عینی شاہد موجود نہ ہونے کی بنا پر یہودیوں ایسے مخالفین سے بھی کچھ تعرض نہ کیا۔

قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت چوری کی مرتکب ہوئی۔ حضور نے حدود اللہ کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے قریش کی عزت و مرتبت کے پیش نظر اسامہ بن زید، جن سے حضور کو بہت محبت تھی، کے ذریعے اس عورت کو سزا سے بچانے کے لیے سفارش کی تو حضور نے اسے سختی سے مسترد کرتے ہوئے فرمایا: فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمِ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمِ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَإِنِّي وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔[۳] "تم سے پہلی لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ جب کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد لاگو کرتے، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

---

(۱) قاضی عیاض، شرح الشفا، ۱/۲۹۵۔

(۲) ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی، ت: عبد الفتاح ابو غدۃ: السنن الصغری للنسائی (حلب: مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، ۱۴۱۶ھ/۱۹۸۶م)، ۸/۷-۱۲، کتاب القسامۃ، باب تبدیۃ اہل الدم فی القسامۃ، حدیث رقم: ۴۷۱۰-۴۷۲۰۔

(۳) مسلم، ۳/۱۳۱۵، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیرہ، والنھی عن الشفاعۃ فی الحدود، حدیث رقم: ۱۶۸۸۔

امانت و دیانت کا یہ عالم تھا کہ قبل از بعثت ہی "الامین" کے لقب سے ملقب ہو گئے تھے۔ خانہ کعبہ میں حجرِ اسود کو نصب کرنے پر جب قریش میں شدید جھگڑا کھڑا ہوا اور ایک خوفناک جنگ کے بادل چھانے لگے تو مشورہ ہوا اور سب لوگ اس پر متفق ہو گئے کہ جو آدمی حرم میں پہلے داخل ہو اس کو حکم مان لیا جائے۔ پہلے حضور ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ کو دیکھا تو پکار اٹھے: هذا الامين، رضينا، هذا محمد- "یہ تو امین آگئے، ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں، یہ محمد ہیں۔" آپ کا فیصلہ عدل و دیانت اور حکمت کا بے مثال نمونہ تھا۔ آپ نے ایک کپڑا منگوایا۔ حجرِ اسود کو اپنے دست مبارک سے اس کپڑے میں رکھا اور فرمایا کہ تمام قبائل اس کے کونوں کو پکڑ کر اٹھائیں۔ جب حجرِ اسود اپنی جگہ تک بلند ہوا تو حضور نے اسے پکڑ کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔[(۱)]

کفارِ اہلِ مکہ آپ کو شہید کرنے کی غرض سے آپ کے کاشانۂ اقدس کے گرد جمع تھے، ہجرتِ مدینہ کے لیے اذنِ خداوندی آچکا تھا، آپ کو مگر یہ گوارانہ تھا کہ کسی دشمنِ جاں کی امانت بھی ادا ہونے سے رہ جائے۔ چنانچہ سفر ہجرت سے پہلے حضرت علی کو اپنے بستر پر لیٹنے کو کہا تو حکم دیا کہ اہلِ امانت کو ان کی امانتیں لوٹائیں۔[(۲)]

حضور ﷺ کے عدل و دیانت کے معیارِ عالی کا اندازہ اس سے لگایے کہ آپ کے دشمن بھی آپ کو سب سے بڑھ کر عادل و دیانت دار قرار دیتے،[۳] اور اپنے مقدمات فیصلوں کی غرض سے آپ کی خدمت میں لاتے۔[۴] عدل و دیانت کے ضمن میں آپ کی غیر معمولی عظمت کا اعتراف آپ کے زمانے کے دشمنوں ہی نہیں آج کے دور کے دشمنوں نے بھی کیا ہے۔ حضور ﷺ کا انتہائی متعصب مستشرق سوانح نگار ولیم میور لکھتا ہے:

> "In all his dealings he was fair and upright and as he grew in years his honorable bearing won for him the title of Al-Ameen" the faithful."[(5)]

---

(۱) ابن ہشام، ت؛ عمر عبد السلام تدمری: السیرۃ النبویۃ (بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰م)، ۱/۲۲۳-۲۲۴۔

(۲) ابن الاثیر الجزری، ت: ابی الفدا عبد اللہ القاضی: الکامل فی التاریخ (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷م)، ۲/۴۔

(۳) قاضی عیاض، شرح الشفا، ۱/۲۹۷۔

(۴) شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ، ۲/۱۸۴؛ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، ت؛ میاں طاہر: رحمۃ للعالمین (مرکز الحرمین الاسلامی، ب ت)، ۲/۵۶۲۔

(5) William Muir, *Mahomet and Islam: A sketch of the prophet's life from original sources, and a brief outline of his religion* (London: The religious tract society, 1887), 19.

"آپ [ﷺ] تمام معاملات میں عادل اور دیانتدار تھے۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی آپ نے اپنی شریف النفسی اور عظمت و صداقت کی بنا پر "الامین" یعنی قابلِ اعتبار و اعتماد کا لقب حاصل کر لیا تھا۔"

سرکاری مناصب پر فائز حضرات عدل و دیانت سے متعلق مذکورہ بالا تعلیمات واسوۂ رسول ﷺ کو پیشِ نگاہ رکھیں تو سرکاری مناصب اور ذرائع کا استعمال نہایت ذمہ دارانہ ہو جائے۔ سرکاری ملازمین کسی کا حق کھانے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے محفوظ رہیں اور یوں اپنے اداروں اور ملک و قوم کی ترقی و کامرانی کا باعث بنیں۔

سیرت و تعلیماتِ نبوی کے مذکورہ پہلو اور خلفاے راشدین

خلفاے راشدین حضور ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور ان کی شخصیتیں آپ کے اسوہ و تعلیم کی عکاس تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ساتھ ساتھ ان کی سنت کی پیروی کی تاکید فرمائی۔[1] بنابریں ان کی سیرت و تعلیمات سے رہنمائی بھی دراصل آپ ہی کی سیرت و تعلیمات سے رہنمائی ہے۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں موضوعِ زیرِ بحث کے تناظر میں ان حضرات کے رویے اور طرزِ عمل کا بھی کچھ تذکرہ کر دیا جائے:

خلفاے راشدین کو اللہ کے حضور جوابدہی کا اس درجہ گہرا احساس تھا کہ وہ تمنا کیا کرتے کہ کاش وہ کوئی ایسی چیز ہوتے جس سے حساب نہیں لیا جاتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ باغ میں درخت کے سائے میں بیٹھے ایک جانور پر رشک کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے جانور تجھے مبارک ہو! تو درختوں کے پھل کھاتا اور ان کے سائے میں آرام کرتا ہے اور تجھے کوئی حساب نہیں دینا، کاش ابو بکر تجھ سا ہوتا کہ حشر کے محاسبے سے بچ رہتا[2] حضرت عمر رضی اللہ محاسبے کے ڈر سے اتنا روتے تھے کہ چہرۂ مبارک پر دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں ۔[3] مسؤلیت و جوابدہی کے احساس نے خلفاے راشدین کو سرکاری مناصب اور ذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال کے حوالے سے دنیا کی عدیم المثال شخصیات بنا دیا۔ انھوں نے مال و دولتِ دنیا کو میل کچیل سمجھا، اور ایک ایک درہم اور ایک ایک دینار تک کہ ذمہ داری کو پورا

(۱) ابن ماجہ ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، ت: محمد فواد عبد الباقی: سنن ابن ماجہ (دار احیا الکتب العربیۃ، فیصل عیسی البابی الحلبی، ب ت)، ۱/ ۱۵۔

(۲) جلال الدین عبدالرحمان السیوطی، تاریخ الخلفاء (بیروت: دار ابن حزم، ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء)، ۸۶۔

(۳) المرجع السابق، ۱۰۵-۱۰۶۔

کیا۔[۱] خلیفۂ اول کے پاس وفات کے وقت ایک اونٹ ،ایک حبشی غلام ،ایک پیالہ اور ایک پرانی چادر ضروری استعمال کی کل کائنات تھی،ان معمولی چیزوں سے متعلق بھی حضرت عائشہ کو وصیت کی کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے جس سے میرے متولی ہونے کی حیثیت سے ہم فائدہ اٹھاتے تھے،اب یہ چیزیں عمر کے پاس پہنچ جانی چاہییں۔[۲] خلیفۂ دوم انسان تو ایک طرف جانوروں کے حقوق سے متعلق اس قدر حساس تھے کہ اونٹ کے زخم کو اپنے ہاتھ سے دھوتے اور صاف کرتے اور فرماتے: مجھے ڈر ہے کہ تیری اس تکلیف سے متعلق مجھ سے روزِ حشر محاسبہ نہ ہو۔[۳] خلفاے راشدین نے تعلیمات واسوہ رسول کے عین مطابق حبِّ جاہ ومال سے احتراز، سادگی، تواضع اور زہد وبے نفسی کا رویہ اپنایا۔ حضرت معاویہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر کا معاملہ یہ رہا کہ انھوں نے دنیا کی خواہش کی اور نہ دنیا نے ان کی، اور عمر کی دنیا نے تو خواہش کی مگر انہوں نے اس کی مطلق خواہش نہیں کی، جبکہ ہم اس میں بری طرح مبتلا ہیں۔[۴] خلفاے راشدین نے عدل ودیانت کی بھی زریں مثالیں رقم کیں۔ انھوں نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق پہنچایا اور قوم کی امانت میں پائی بھر خیانت گوارا نہ کی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا منصب سنبھالتے ہوئے ارشاد فرمایا: لوگو! میں تم پر نگران بنایا گیا ہوں حالانکہ تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر اچھے کام کروں تو میری اطاعت کرو، اگر غلطی کروں تو مجھے سیدھا کر دو... تم میں سے کمزور شخص میرے نزدیک طاقتور ہے یہاں تک کہ میں اسے اس کا حق دلا دوں اور تم میں سے طاقتور شخص میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسرے کا حق واپس لے لوں۔"[۵] حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر المومنین تھے۔ آپ کی زرہ گم ہو گئی۔ پتہ چلا کہ ایک یہودی کے پاس ہے۔ آپ نے قاضی شریح کی عدالت میں دعوی دائر کیا، لیکن گواہ آپ کا بیٹا اور غلام تھے۔ قاضی نے قرابت داری کی بنا پر بیٹے اور غلام کی گواہی مسترد کر دی اور فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔ یہودی حضرت علی اور دین اسلام کی عظمت کا قائل ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا۔[۶] خلفاے راشدین خلافت کی بھاری ذمہ داریوں کے عوض بیت المال سے صرف اتنا خرچ وصول کرتے جس سے نہایت ہی مشکل سے گزارہ ہوتا۔ قوم کے مال میں سے

---

(۱) المرجع السابق، ۶۹، ۱۵۹۔

(۲) المرجع السابق، ۶۴-۶۵۔

(۳) المرجع السابق، ۱۱۳۔

(۴) السیوطی، تاریخ الخلفاء، ۹۸۔

(۵) ابن اسحاق، ت: احمد فرید المزیدی: السیرۃ النبویہ (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۴م)، ۱۸۷۔

(۶) السیوطی، تاریخ الخلفاء، ۱۴۷-۱۴۸۔

ذرا سی چیز بھی بغیر اجازت لینا منظور نہ کرتے۔ حضرت عمر بیمار ہو گئے اور شہد کی ضرورت پیش آئی۔ بیت المال میں کافی مقدار میں شہد موجود تھا، مگر آپ نے قوم کو بتائے بغیر شہد لینا روا نہ سمجھا، لوگوں سے اجازت لی کہ اگر کہیں تو تھوڑا شہد لے لیتا ہوں۔ لوگوں نے اجازت دی تو آپ نے شہد استعمال کیا۔[۱] آپ اتنا معمولی کھانا کھاتے کہ لوگوں نے آپ سے درخواست کی کھانے کے معیار کو بہتر بنائیں۔ آپ نے فرمایا تم بلاشبہ میری خیر خواہی کے تحت ایسا کہہ رہے ہو مگر میں اپنے پیشرؤں[حضور ﷺ اور ابو بکر صدیق] کے پاس ان کی راہ سے منحرف ہو کر کیسے پہنچ سکتا ہوں! ملک میں قحط پڑا تو سال بھر گھی اور گوشت استعمال نہیں کیا۔[۲]

نتائج و تجاویز

حضور ﷺ کی سیرتِ اطہر تمام شعبہ ہائے زندگی کے افراد کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ سرکاری مناصب پر فائز حضرات کے لیے بھی اس میں مکمل روشنی و رہنمائی موجود ہے۔ اگر وہ مسؤلیت و جوابدہی، حبِّ جاہ و مال سے احتراز، زہد و بے نفسی اور عدل و دیانت سے متعلق تعلیمات و اسوۂ نبوی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے شترِ بے مہار ہونے سے بچیں، احتساب و محاسبے کا خوف رکھیں، اپنے دفترِ عمل کا خود جائزہ لیتے رہیں، آخرت پر نگاہ رکھتے ہوئے اور اعلیٰ آدرش کی خاطر مال و دولتِ دنیا اور جاہ حشمت کی ہوس سے پاک ہو جائیں، انصاف کو حرزِ جاں بنالیں اور بد دیانتی سے کنارہ کش ہو جائیں تو سرکاری مناصب اور ذرائع کے استعمال میں اسی نوعیت کی ذمہ داری کا مظاہرہ کریں جیسا کہ اصحابِ رسول بالخصوص خلفاے راشدین نے کیا تھا۔ اور نتیجتاً وہ اور ان کے ادارے اور پوری قوم ترقی و عروج سے ہمکنار ہو اور قرونِ اولیٰ کے اہلِ اسلام کی مانند مثالی بن جائے۔

ان نتائج کی روشنی میں ہماری تجاویز یہ ہیں کہ:

حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی سیرتوں اور تعلیمات کے ان پہلوؤں کو لوگوں بہ طورِ خاص سرکاری مناصب پر فائز حضرات کے ذہن نشین کرایا جائے۔

سیرت و تعلیماتِ نبوی خلفاے راشدین کے مذکورہ پہلوؤں پر سیمینارز اور کانفرنسز کا انعقاد کیا جائے، تاکہ یہ پیغام لوگوں تک زیادہ سے زیادہ پہنچے اور ان کے ذہن نشیں رہے۔

---

(۱) المرجع السابق، ۱۱۳۔

(۲) المرجع السابق، ۱۰۵۔

سیرت و تعلیماتِ نبوی کے مذکورہ پہلوؤں پر مختلف حوالوں سے تربیتی اداروں کے نصاب میں مضامین شامل کیے جائیں۔

سرکاری مناصب پر فائز حضرات میں سے جو لوگ سیرت کے مذکورہ پہلوؤں کو اپناتے اور اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے ان کا عکس بنتے ہیں، ان کی خصوصی حوصلہ افزائی کی جائے، تاکہ بقیہ لوگوں میں ان پہلوؤں کو اپنانے کی تحریک پیدا ہو۔